صفحات 290
قیمت 100 روپے

سچی کہانیاں، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں

ماہنامہ سرگزشت کراچی

جولائی 2019

بانی
معراج رسول

موسیقی کے تین رنگ: شعبہ موسیقی کے تین باکمال شخصیت کا تذکرہ خاص

چہیتی ساتھن: خود کو عقل کُل سمجھ کر اپنی زندگی تباہ کر لینے والی دوشیزہ کی سچ بیانی

ہر دور کا معتوب: کراچی کی گلیوں سے دولت کے ڈھیر پر پہنچنے والے کا زندگی نامہ

سرگزشت
07 مزدور شاعر
ادارہ
ایک صفحہ میں مکمل، مختصر مختصر ایک نادر روزگار کا تعارف

گفت وشنید
08 شہر خیال
قارئین
آپ کی باتیں آپ کے خیال آپ کے مشورے اور آپ کے سوال

شخصیت
16 ہر دور کا معتوب
کرن صدیقی
پاکستان کے معروف ادیب کی داستانِ حیات

ایمان افروز
43 سخی شہباز
وحشی محمود آبادی
روشن لوگوں کی اجالا باتیں ایک مردِ کامل کی روداد

معلومات
49 باکمال
ڈاکٹر ساجد امجد
ان باکمال شخصیات کا تذکرہ جنہوں نے کمال کر دکھایا

ادب وادیب
53 ماہِ نو
زین مہدی
اردو ادب کے شائقین کی مدارت

پراسرار واقعہ
59 آسیبی آہٹ
سید جاذب
مشہور شخصیت کے پراسرار حالات کا بیان

دلچسپ وعجیب
65 غازی حسن
احسن نعیم
سلطنتِ عثمانیہ کے امیر البحر کا احوال

فلم نگری
73 موسیقی کے تین رنگ
انور فرہاد
پاکستان کے تین ماہر فن کا مختصر تذکرہ

علم وفن
100 آذر پاکستان
شکیل صدیقی
اپنے فن میں یکتا مصور سنگتراش کا ذکر خاص

تاریخ
117 جہاز راں
طارق عزیز خان
بحری راستے تلاش کرنے والے کی کتھا

تذکرہ خاص
121 اسباق حکمرانی
فرزانہ نگہت
ایک ہردل عزیز بادشاہ کا مختصر سا زندگی نامہ

ماہنامہ سرگزشت میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے جملہ حقوقِ طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں، کسی بھی فرد یا ادارے کے لئے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔
✿ تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

سفر کہانی
سفر پہلا پہلا — 125
ندیم اقبال
آپ کے پسندیدہ مصنف کا سفرنامہ

شکاریات
جنگل کے اسرار — 153
سید احتشام
جنگل جہاں قدم قدم پر موت منہ پھاڑے کھڑی ہے

معاشرت
ناسور — 174
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
ایک معصوم نوجوان کی خوں رنگ لہو گرما دینے والی داستان

پہلی سچ بیانی
چہیتی ساتھن — 200
فضہ عادل
اس نے بہت اونچے خواب دیکھے تھے

دوسری سچ بیانی
بی کے بلوچ — 218
محمد وسیم شاھد بلوچ
حالات کے جبر سے ٹکرا جانے والے کی داستان

تیسری سچ بیانی
لمحے کی نیکی — 227
رضیہ نوید
نیکی کو ضائع کرنا زندگی کو دشوار بناتا ہے

چوتھی سچ بیانی
مکافات — 239
فرح انیس
سہیلی نے سہیلی کی زندگی کو ڈس لیا تھا

پانچویں سچ بیانی
آٹھواں رنگ — 247
ارشد ابرار ارش
محبت بھری افسانہ نما روداد عشق

چھٹی سچ بیانی
ہنر — 253
ذاکر ملک
اپنی زندگی میں اس نے ایسا میک اپ پہلی بار کیا تھا

ساتویں سچ بیانی
مفاد — 259
سنبل
مفاد پرست گھرانے کی دلچسپ سچ بیانی

آٹھویں سچ بیانی
ایک اہم کہانی — 267
رازی
وہ انسانیت پرست تھا یہی دوستی کی وجہ بنی

نویں سچ بیانی
آخرکار — 271
آصف ملک
اس کی جان ایک عجیب سے عذاب میں پھنس گئی تھی

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بےحرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مزدور شاعر

سرگزشت

اتر پردیش کے ضلع شاملی کے قصبہ کاندھلا میں 2 فروری 1914ء میں ایک غریب گھرانے میں اس نے آنکھ کھولی۔ غربت کی گود میں پل کر بڑا ہوا۔ باضابطہ تو نہیں مگر بے ضابطہ اس نے کچھ لکھ پڑھ لیا۔ زیادہ اس لیے نہ پڑھ پایا کہ غربت اجازت دینے پر راضی نہ تھی۔ کچھ اور بڑا ہوا تو اسے مزدوری پر لگا دیا گیا۔ کاندھلہ کوئی اتنا بڑا شہر نہ تھا۔ ایک قصباتی شہر تھا وہاں مزدوری اتنی آسانی سے کہاں ملتی ہے۔ ایک دن مزدوری ملی تو دس دن بیکار رہا۔ انہی دنوں اس کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی جو پردیس سے کما کر لاتے تھے۔ انہی میں سے ایک صدیق بھی تھا جس سے اس کی رشتے داری بھی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں مظفر نگر میں کیا رکھا ہے، کبھی لاہور آؤ تو دکھاؤں، وہاں روپے ہواؤں میں اڑتے ہیں۔ بس محنت کرنے والا ہو تو ایک سال میں امیر ہو جائے۔ اس سے لاہور کی رونقوں کا سنا تو یہ مزید اتاولہ ہوا تھا۔ اس نے ماں سے کہا کہ وہ کمائی کے لیے لاہور جانا چاہتا ہے۔ ماں کی ماماتا کب اجازت دیتی کہ بیٹا اتنی دور چلا جائے لیکن اس نے ضد باندھ لی مجبوراً ماں کو اجازت دینی پڑی۔ صدیق کے ساتھ جانے کی تیاری کر لی۔ ماں سے اس نے کہا کہ میں جاتے ہی ہر ماہ بیس پچیس روپے بھیجنا شروع کر دوں گا۔ ماں سے وعدہ کر کے باہر آیا تو تمام دوست منتظر تھے۔ سب اسے اسٹیشن تک چھوڑنے جا رہے تھے۔ بھی احمد بیوپاری آگے آیا اور اس نے پچیس روپے زبردستی اس کی جیب میں ڈال دیئے کہ یہ تمہاری امانت تھی۔ وہ پوچھتا ہی رہ گیا کہ کیسی امانت لیکن احمد بیوپاری کی ہچکیاں رک نہیں رہی تھیں۔ تمام دوست آبدیدہ تھے۔ شاملی اسٹیشن پر سب ہاتھ ہلاتے رہے، نم آنکھوں سے الوداع کہتے رہے، سہارن پور سے بڑی لائن شروع ہو جاتی ہے، وہاں اتر کر گاڑی بدلی اور لاہور کے لیے چل پڑے۔ دوپہر کے بعد وہ دونوں لاہور پہنچے۔ لاہور کی رونق دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ صدیق ساتھ تھا اس نے اپنا ٹرنک بھی اسی کے سر پر رکھ دیا۔ مزدوری کا عادی تھا اس لیے وہ بوجھ کو سر پہ لادے اسٹیشن سے باہر آیا۔ صدیق نے پیسا اخبار کے لیے تانگہ لیا اور نصر اللہ خان کے احاطے میں جا اترا۔ وہاں صدیق نے دو روپے ماہانہ پر ایک کوٹھڑی لے رکھی تھی۔ اسی میں اسے بھی ٹھہرا لیا، سامان اتارنے کے بعد وہ کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹا تھا کہ صدیق نے کہا۔ ''اب ہم لاہور پہنچ چکے ہیں، میں تمہارے لیے نوکری تلاش کرتا ہوں جب تک تم بیکار ہو کھانا وغیرہ بنا لیا کرنا۔ وقت ملے تو کپڑے بھی دھو لینا۔ کل سویرے پیسے ملا کر کھانے کا سامان لے آئیں گے۔'' اس دن سے اس کے ذمے کھانا پکانا رہ گیا۔ وہ کھانا پکا کر لاہور کی گلیوں میں یوں ہی آوارہ پھرتا۔ ایک ہفتے سے زیادہ کا وقت گزر گیا لیکن صدیق نے نوکری کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو اس نے خود کوشش کرنے کی ٹھانی۔ ایک جگہ عمارت بن رہی تھی وہاں اینٹیں سر پر اٹھا کر دوسری منزل تک پہنچانے کا کام کیا پھر اس نے ایک جگہ گھوڑوں کے ساز بنانے کا کام کیا۔ یہ کام مزدوری سے زیادہ آسان تھا لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ چمڑے پر سلائی لگا رہا تھا کہ ''آر'' انگلی میں دھنس گئی۔ اس کام سے تائب ہوا تو ایک کلچہ بنانے والے کے تنور پر جا پہنچا۔ تنور کے مالک نے کہا۔ ''میاں تم اردو لکھ پڑھ لیتے ہو؟'' اس کے ہاں کہنے پر مالک نے کہا تم عبدالکریم کو پڑھا دیا کرنا، اس نے پابندی سے اسے پڑھانا شروع کر دیا پھر اسے معلوم ہوا کہ عبدالکریم نے چوتھی جماعت پاس کر لی ہے۔ کسی نے بتایا کہ عبدالکریم شعر بھی کہنے لگا ہے۔ اس نے عبدالکریم سے پوچھا تو وہ بولا کہ الفت کے تخلص سے شعر کہہ رہا ہوں۔ اس نے الفت کو بدل کر سودش کر دیا جو بعد میں شورش کاشمیری کہلایا۔ ایک دن وہ صدیق کے ساتھ بازار کی سیر کو نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص مجمع لگا کر کتابیں بیچ رہا ہے۔ اسی دن صدیق نے چھ روپے میں اس کی ترتیب کردہ کتاب چھپوا دی۔ اس نے مجمع لگا کر کتابیں بیچیں تو پندرہ روپے میں سب کتابیں بک گئیں۔ کچھ دن اس نے یہ کام کیا پھر وہ دوبارہ سے سڑک کوٹنے کی مزدوری کرنے لگا۔ اب اس کے اشعار مختلف رسالوں میں چھپ رہے تھے اور وہ مشہور ہونے لگا تھا۔ دن بھر مزدوری کر کے رات کو شاعری کرتا۔ یہی شاعری اس کی پہچان بن رہی تھی۔ اس مزدور شاعر کا انتقال 2 فروری 1982ء کو لاہور میں ہوا اسے ہم احسان دانش کے نام سے پہچانتے ہیں۔ ....☆☆☆

شہرِ خیال

مدیرِ اعلیٰ

☆ ظفر ندیم وہرہ، حیدرآباد سے رقمطراز ہیں۔ ''جون 2019ء کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ سرگزشت کو یہ اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ہمیشہ منفرد لیکن اہم موضوعات پر تحریروں کو شاملِ اشاعت کیا ہے۔ اس رسالے میں کہانی کے انداز میں ان مسائل کے حل ملتے ہیں جو گھروں میں جنم لیتے ہیں۔ یہ داستانیں ہمیں مثالی شوہر، مونس و غم خوار بیوی، شفیق و مہربان باپ اور اولاد کے لیے حقیقی ہمدردی رکھنے والی ماں بننے میں مدد دیتے ہیں۔ ''سفر پہلا پہلا'' بعض اوقات تاثرات کی شدت اور یلغارِ قلم سے روانی لے لیتی ہے اور داد کے الفاظ بے معنی، بودے اور چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ میں ندیم اقبال کے سفرنامے کی بات کر رہا ہوں۔ غالب نے مومن کے ایک شعر کے لیے کہا تھا وہ اس شعر کے بدلے میں اپنا پورا دیوان دینے کو تیار ہیں۔ کچھ ایسے ہی جذبات میرے اس کہانی کے بارے میں ہیں۔ ایسے حساس موضوع پر ندیم اقبال کے قلم کی گرفت میرے اس یقین کو مزید مضبوط کرتی ہے کہ اچھا ادب صنف کے تابع نہیں۔ لکھنے والے کی باریک بینی اور مشاہدہ اگر کھرا ہے تو اس کی کرافٹ خود بخود کھل کر سامنے آجاتی ہے پھر ندیم صاحب تو عصری کہانی لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ''فن کا سمندر'' اپنی جولانی اور روانی سے بہہ رہا تھا کہ اچانک اس میں درد و الم کا سونامی آگیا جس کا نتیجہ علی کے قتل کی صورت میں نکلا۔ ایک طرف اکلوتے بیٹے کی جدائی کا غم تھا تو دوسری طرف سازشوں کے جال بچھائے جارہے تھے۔ وہ اپنے تجربے کی بنا پر یہ حقیقت پا چکی تھیں کہ سازشی عناصر ان کی جائداد اور مال و زر پر قبضہ جمانے کے درپے ہیں۔ ایسے حالات میں کوئی اپنا ذہنی سکون کس طرح بحال رکھ سکتا ہے۔ افسوس اور صد افسوس کہ ایک شفیق چہرہ وقت کی بے رحم گردش میں گم ہوگیا۔ سرورق کی کہانی ''مسیحا'' نے پونے چار کروڑ دیوی دیوتاؤں کی سرزمین کا اصلی اور بھیانک چہرہ بے نقاب کردیا۔ یہ ایک ایسے انسان کی دلخراش داستان ہے جس میں جرأت اور ہمت کے شعلے بھی ہیں اور آہیں اور سسکتی آوازیں بھی۔ جہاں اپنے ہم مذہب منہ موڑ گئے، وہاں ایک انجانے اور بے تعلق شخص کے خلوص نے شاسو کو سہارا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس پر مولوی صاحب کی باتوں کا اثر ہونا شروع ہوگیا۔ حق کی جیت ہوئی اور باطل بھاگ گیا۔ ''تلافی'' کا جمیل پدمنی کو چھوڑ کر مینڈکی کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا اور نادانی میں بدکاری کر بیٹھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی اس لغزش پر شرمندہ ہوتا، اس نے ناٹک کرکے اپنے ہی ناجائز بچے کو گود لے لیا۔ جو ہوا، وہ ناخوشگوار اور مشکوک ہے۔ عنوان بدلنے سے موضوع تبدیل نہیں ہو جاتا۔ ''صلہ'' خاتون کی ذاتی پروجیکشن کا شاہکار تھی۔ سانپ اور سیڑھی کے اس کھیل میں محترمہ نے اس قدر قلابازیاں کھائیں کہ اس پر حیرت ہی کی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا کہ اس کا شوہر احساسِ کمتری کا شکار تھا، اس باب میں کچھ کہنا سخن گسترانہ سی بات ہے۔ ''قسمت'' کی نبیلہ ایک ضدی، سرکش اور انتہا پسند لڑکی تھی۔ اس کی یہ عجیب و غریب عادت ناقابلِ علاج تھی جس کا علاج ایک ڈاکٹر بھی نہ کرسکا۔ چنانچہ وہ اپنے ماتھے پر طلاق کا ٹیکہ سجا بیٹھی۔ اب قاسم کی طرف سے جو ہمدردی و محبت میسر آئی تو رفت و گزشت پر آمادہ ہوگئی۔ اب دو ستاروں کا ملن تو ہونا ہی تھا۔ ''آگ'' پڑھ کر خون رگوں میں منجمد ہوگیا۔ یہ انسانی درندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ خدا جانے یہ موبائل پرستی ہمیں کہاں لے جانے والی ہے۔ ''بوجھ'' کی رومانہ خوابوں کے پیچھے بھاگتی بھاگتی بہت دور نکل گئی۔ اظہار نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ تو ہونا ہی تھا۔ اب ساری عمر اسے رینگ کر گزارنی ہوگی۔

ہر دور کا معتوب

کرن صدیقی

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ اس جملے کا عکاس ہے وہ۔ اس نے زندگی کی شروعات غربت سے کی، اس کے والدین سفید پوش تھے۔ کراچی میں بسنے والے لاکھوں افراد کی طرح سفید پوشی کا بھرم رکھ کر زندگی گزارنے والوں میں سے تھے لیکن اس میں آگے بڑھنے کی ایک لگن تھی۔ اس نے خوب محنت کی۔ اتنی محنت کہ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس کی ترقی نے ان لوگوں کو چونکا دیا جو پاکستانی معیشت پر سانپ بن کر بیٹھے تھے، جو خود کو پاکستانی تجارت کی چابی کہتے تھے۔ انہیں کسی طور منظور نہ تھا کہ ایک معمولی سا آدمی ان کے مقابل آجائے۔ ان کی برابری کرے لیکن خدا محنت کو رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ سازشی عناصر کی ہر چال کو وہ ناکام بناتے ہوئے آگے بڑھتا گیا۔ آج وہ ان لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے جو ترقی کرنا چاہتے ہیں۔

پاکستان کے ایک معروف ارب پتی کی داستان زیست

سہ پہر ڈھل چکی تھی اور شام کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ سلونی شام جو اپنے جلو میں کجلاہٹیں لیے سرمئی دھند لکے پھیلانے کو تیار تھی۔ پہاڑی علاقوں میں شام بہت تیزی سے اترتی ہے خاص کر سردیوں میں۔ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ کب چمکیلا دن سیاہ رات میں بدل گیا۔ آج انیس فروری تھی ایک بہت خاص دن۔ یہ دن اس شخص کی سالگرہ کا دن تھا جو اس وقت بھوربن کی پہاڑی پہ تنہا کھڑا اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا۔ اچانک اس کا موبائل بجا تو وہ یک لخت چونک کے اپنی سوچوں کے حصار سے نکلا۔ ''ہیلو!''

''پپا آپ کہاں ہیں؟''

''یہیں ہوں بیٹا دور نہیں ہوں۔''

''ہاں کہیں دور نہ جائیں آپ کو یاد ہے نا آج کا پروگرام؟''

''بالکل یاد ہے بس آتا ہوں ابھی۔''

''ٹھیک ہے پپا میں آپ کے روم میں ہی ہوں۔''

''اوکے بیٹا۔''

گفتگو ختم کر کے اس شخص نے موبائل جیب میں ڈالا۔ اردگرد کے مناظر کو دیکھا۔ ایک گہری سانس لی نوخیز شام کی شفاف، تازہ اور خالص ہوا کے ذائقے کو اپنے اندر تک محسوس کیا پھر ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پہ پہنچ کے ایک ساعت کے لیے رکا۔ ہوٹل کی بلندی پہ نگاہ گئی وہاں ہوٹل کا نام جگمگا رہا تھا پرل کانٹی نینٹل۔ اس شخص نے ایک فخریہ سی نظر اس نام پہ ڈالی اور ادھر اُدھر دیکھا جیسے دنیا کو بتانا چاہتا ہو کہ دیکھو یہ ہے میرا شاہ کار جسے میں نے اپنے تخیل کے بل پر تراشا ہے۔ اس ایک نظر میں فخر ہی نہیں اور بھی بہت کچھ تھا اپنے مقصد کو حاصل کر گزرنے کا یقین، جدوجہد کے دنوں کی یاد اور ان تمام سختیوں اور تکالیف کا تاثر بھی جو اس بلندی کے سفر تک پہنچنے تک برداشت کرنا پڑی تھیں۔ اس نے پلٹ کے پیچھے دیکھا جیسے ساری دنیا کو اپنے شاہ کار سے متعارف کروانا چاہتا ہو پھر مضبوط قدموں سے آگے بڑھ گیا اس کی ایک ایک ادا کہہ رہی تھی مجھے دیکھو مجھے پہچانو میں اپنے جذبوں کی قوت سے مشکل کام کر لیتا ہوں میرا نام ہے صدرالدین ہاشوانی۔

صدرالدین ہاشوانی کو جاننے کے لیے ان کا پس منظر

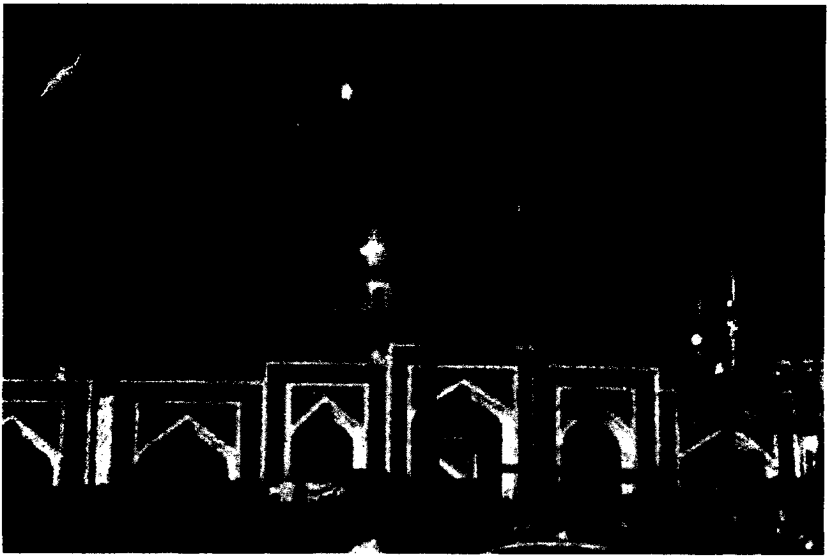

سخی شہباز

وحشی محمود آبادی

مشہور زمانہ صوفی کے دل نشیں حالات، مادر زاد ولیؒ جسے دبدبہ سلطانی بھی مرعوب نہ کر سکا۔ پوری زندگی جہاد سعی میں گزار دینے والے ولی اللہ جو اپنی مثال آپ تھے۔ اسلام کا عشق ہی انہیں سرزمین سندھ تک کھینچ لایا تھا۔ ایک زمانہ ان کا دشمن تھا لیکن مشیت ایزدی نے ان کے لیے کچھ اور ہی تجویز کر رکھا تھا۔

ایک بزرگ کے حالات جو مراجع خلاقِ عالم تھے

اسلام سرمایۂ تصوف کا قالب اختیار کر چکا تھا۔ عراق و ایران کی خانقاہوں سے کشف و کرامت کے آفتاب طلوع ہو رہے تھے۔ ان کی چھوٹ سے اطراف و اکناف کی نگاہیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ خانقاہوں سے چمکتے ہوئے ستارے بھی بلند ہو رہے تھے جن کا رخ ماورالنہر اور ہندوستان کی طرف تھا، شاید وہ کسی آفتاب سے معرفت کی روشنی لے کر ان خطوں کو جگمگا دینا چاہتے تھے جو اب تک کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

باکمال

ڈاکٹر ساجد امجد

ماضی کے تین اہم نام جنہوں نے علم سائنس کو جلا بخشی۔ آج ہم سائنس کی جو ترقی دیکھ رہے ہیں اس کی بنیاد انہیں ہی کہا جاسکتا ہے۔ انتھک محنت اور غور و فکر نے ہی انہیں اوج بخشا تھا۔

مختصر مختصر سا تذکرہ، علم دوست افراد کے لیے تحفہ خاص

ابن تیمیہ دمشق کے مضافات میں ایک شہر آباد تھا، حران۔ یہاں ایک خاندان آباد تھا جس کے افراد درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ اس خاندان میں ایک بچہ پیدا ہو جس کا نام تقی الدین ابوالعباس احمد رکھا گیا۔ یہ خاندان اس بچے سمیت دمشق ہجرت کر گیا۔ یہ ہجرت شاید ابوالعباس کو ایک موقع فراہم کرنے کے لیے تھی۔ دمشق کی علمی فضا نے اس کے جوہر کو تب و تاب بخشی۔ وہ اساتذہ میسر آئے جو حران میں اسے نصیب نہ ہوتے۔ ابھی وہ سن بلوغ کو نہیں

ماہِ نو

زین مہدی

اس نے اردو ادب کی خدمت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مشرقی و مغربی بنگال میں اس نے ادب پروری کی مثال قائم کی پھر جب دوسری ہجرت کا کرب جھیل کر کراچی پہنچا تو بالکل ٹوٹ چکا تھا۔

ایک شاعرِ بے بدل کی زندگی کا عکس، مختصر سا احوال

نارتھ کراچی کے ایک مکان میں وہ گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ آس پاس کے لوگ بھی اس کی اہمیت سے آگاہ نہ تھے۔ اس نے کیسی ہلچل بھری ادبی زندگی گزاری ہے اس کی بھی خبر پڑوسیوں کو نہ تھی۔ کراچی کی اس ہنگامہ خیز زندگی میں وہ اکیلا تھا۔ ہاں، جب کبھی پرانے دوست احباب آجاتے تو بات کچھ اور ہو جاتی تھی۔ انہی پرانے دوستوں میں سے ایک نے اس دن اسے ماضی کے دریچے میں دھکیل دیا تھا۔ اسے بیرسٹر صاحب کی کوٹھی یاد آنے لگی

آسیبی آہٹ

سید جاذب

ہماری آپ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کی توجیہہ دینا ممکن نہیں۔ فرنچ کے مشہور لکھاری ہیرالیم جیک کی زندگی میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ رونما ہوا جس کی توجیہہ ممکن نہیں اور اسے جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا ہے۔ یہ واقعات اس نے اپنی بائیو گرافی میں خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔

ایک مشہور مصنف کی زندگی کا پراسرار واقعہ

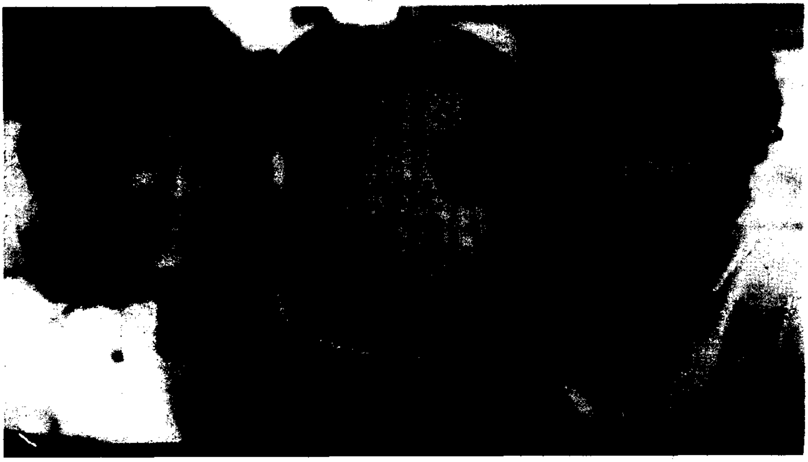

ایک دفعہ مجھے چار مہینے ایک مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کیپ کوڈ CAPE COD میں واقع واحد کاٹیج تھا۔ اگرچہ اسے تعمیر ہوئے نو سال بیت چکے تھے لیکن جب ہم نے موسم گرما گزارنے کے لیے اسے حاصل کیا، اس وقت تک وہاں کوئی نہیں بسا تھا۔ لہٰذا میں اور ہیلن اس کاٹیج میں دن اور رات گزارنے والے پہلے اشخاص تھے۔

جس دن ہم وہاں پہنچے اس رات ہیلن تھکن کے باعث جلد سونے چلی گئی تھی جب کہ میں بیٹھا ایک مسودے پر کام کر رہا تھا۔ کاٹیج کی بالائی منزل پر دو خاصے کشادہ کمرے تھے اور ان کے درمیان ایک چوڑی گزرگاہ تھی۔

غازی حسن

احسن نعیم

ایک معمولی سے انسان نے دنیا کو دکھا دیا کہ عظمت و عزت یوں ہی نہیں ملتی اس کے لیے محنت و مشقت اور حاضر دماغی ضروری ہے۔ وہ بھی کبھی ایک عام سا شخص تھا پھر اسے ڈاکوئوں نے اغوا کرلیا اور وہ انہیں بے وقوف بنانے کے لیے ڈاکے ڈالنے لگا۔ قسمت نے ساتھ دیا اور وہ امیرالبحر بن گیا۔ بحری فوج کا سپاہ سالار بنتے ہی اس نے ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیے۔ مسلم ممالک کے دشمن اس کا نام سنتے ہی کانپنے لگتے تھے۔

عالمِ اسلام کے ایک معروف کمانڈر انچیف کا ذکرِ خاص

آج امریکا سپر پاور ہے لیکن اس وقت جب چور اور ڈاکوؤں کو بطور سزا امریکا میں بھیجا جارہا تھا اس وقت دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت مسلمانوں کی تھی۔ وہی حکومت سپر پاور تھی اس سلطنت کا نام سلطنت عثمانیہ تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے عروج کی ایک وجہ سلطنت میں بہترین دماغوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کی خدمات بھی تھیں۔

سلطنت عثمانیہ کے بحری بیڑے پندرہویں صدی سے سمندروں پر حکمرانی کر رہے تھے اور اس دور میں

موسیقی کے تین رنگ

انور فرہاد

شہرت و مقبولیت ایسے نہیں ملتی، اس کے لیے کڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اس نے بھی عزت و شہرت کے لیے جان توڑ محنت کی اور نصیب نے اسے بلندی عطا کردی ورنہ ایک چھوٹے سے شہر سے آنے والی نوخیز لڑکی کو ایسی بلندی کہاں نصیب ہوتی۔ اسی کی طرح بھرپور محنت سے کام لے کر ایک اور شخص بھی اس سے قبل نام پیدا کر چکا تھا، جسے بلاشبہ موسیقی کا ماہر کہا جاسکتا ہے۔ اس مقام تک انہیں لانے میں مددگار ان کی محنت ہی تو تھی۔ بالکل اسی طرح ایک اور شخص نے اپنی محنت سے عروج حاصل کیا۔ یہ بلندی ان سب نے کس طرح حاصل کی ہے۔آپ بھی ملاحظہ کریں۔

شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے والی تین نابغہ روزگار ہستی کا زندگی نامہ

اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان کے بس کا کام نہیں۔
جی ہاں، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عزت، شہرت، عظمت اور دولت سب کچھ اللہ کی دین ہے۔ رب رحیم و کریم کی عنایت اور مہربانی ہی سے یہ نعمتیں ملتی ہیں۔ خدا کی دین کا احوال موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آج بھی بہت سے لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ 18 سال کی ایک نوجوان لڑکی۔ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آئی اور یہ سفر اس کے لیے وسیلۂ ظفر بنا۔ وہ

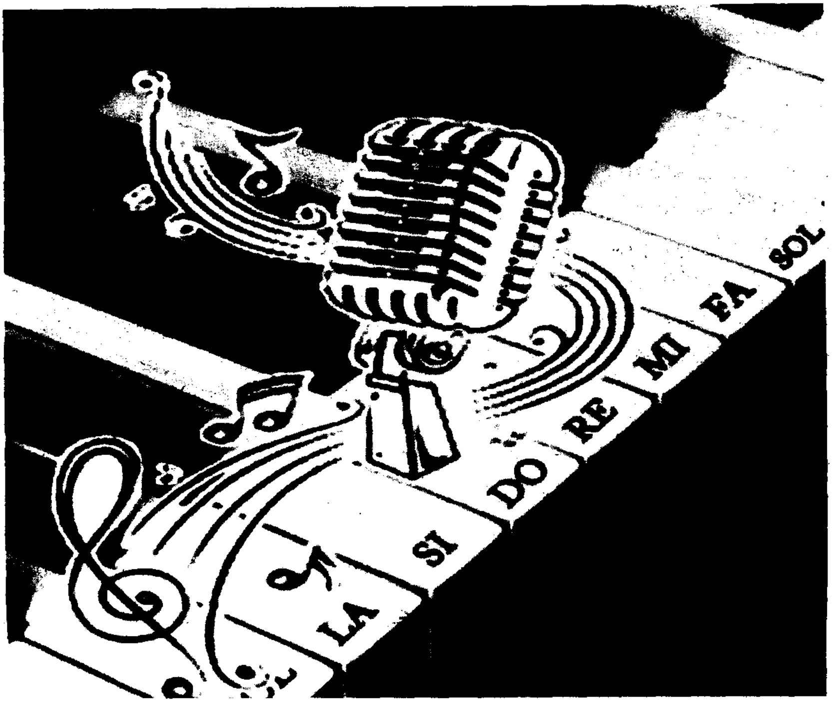

آذرِ پاکستان

شکیل صدیقی

حضرت ابراہیمؑ کے سرپرست آذر کے تیشے میں یہ خوبی تھی کہ پتھر خود ترش کر خوب صورت مجسمہ بن جاتے تھے۔ اپنا نام بدل کر ان کا ہم نام بن جانے والے نے بھی یہی سوچا تھا کہ اس کے تیشے میں بھی یہی خاصیت آجائے گی۔ سرزمین پاکستان پر بت تراشی کا شوق پورا کرنا معمولی بات نہ تھی لیکن اپنے ہنر سے اس نے شہرت کی بلندیوں کو چُھو ہی لیا۔

پاکستان کے ایک معروف بت تراش کی زندگی کے مدوجزر کا احوال

استاد نے رستم وسہراب پر سبق دینے کے بعد طالب علموں سے کہا کہ وہ اب اپنی تختیوں پر جو سبق پڑھایا گیا ہے ،اس کی پانچ یا چھ سطریں لکھیں۔ طالب علموں نے اس ہدایت پر عمل کیا اور اس کے بعد اپنی تختیاں ماسٹر صاحب کو دکھائیں۔ تقریباً سب نے درست لکھا تھا،اس لیے سب کو شاباش ملی، لیکن جب عنایت اللہ کی تختی دیکھی تو ان کے چہرے پر برہمی کی لکیریں پھیل گئیں۔

”یہ کیا؟“انہوں نے غضب ناک آواز میں

جہازراں

طارق عزیز خان

یورپی ممالک ''سونے کی چڑیا'' کے نام سے مشہور برصغیر تک پہنچنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ ہر ایک اسی کوشش میں تھا کہ کسی بھی طرح یہاں تک پہنچنے کا راستہ مل جائے۔ اسی کوشش میں کتنے ہی امیرالبحر راستہ بھٹک کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن اس کا ساتھ قسمت نے دیا اور وہ کامیاب ٹھہرا۔

ایک کامیاب جہازراں کا تذکرہ

14ویں صدی عیسوی کے دوران یورپین تاجروں کا ایشیا سے رابطے کا سب سے بڑا ذریعہ ایشیائے کوچک کا زمینی راستہ سلک روٹ اور رومن انڈیا روٹ (بحیرہ روم، بحیرہ احمر اور بحیرہ عرب کے بحری راستے) تھا۔ دونوں مروجہ راستوں پر عثمانی ترکوں اور اطالوی تاجروں کی اجارہ داری قائم ہونے کی وجہ سے مغربی یورپ اقتصادی بدحالی کا شکار تھا۔ اپنی بیمار معیشت کو سہارا دینے کے لیے مغربی یورپ کے دو بڑے ممالک اسپین اور پرتگال اس کوشش میں تھے کہ ایک دوسرے سے پہلے اپنے دریافت کردہ بحری راستوں سے ایشیائی منڈیوں تک رسائی حاصل کرلیں۔ اسپین سے رقبے، آبادی اور وسائل میں کم تر ہونے کے باوجود پرتگال کا محلِ وقوع جہازرانی کی صنعت کے فروغ میں معاون تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دریافتوں کے سنہرے دور کا آغاز پرتگال کی طرف سے ہوا۔ 1488ء میں بارتولومیو ڈیاس کی طرف سے بحر اوقیانوس اور بحر ہند کے ''سنگم راس امید'' کی دریافت کے بعد پرتگالی حکومت نے جنوبی افریقا کے ساحلوں پر قبضہ جمالیا۔ بدلتے حالات میں اسپین نے پرتگال سے الجھنے کی بجائے کرسٹوفر کولمبس کو بحر اوقیانوس کو مغرب کی طرف سے پار کرکے ہندوستان تک رسائی کی مہم پر روانہ کیا اور یوں

اسباقِ حکمرانی

فرزانہ نگہت

لوگ حکمرانی کو آسان سمجھتے ہیں جب کہ یہ تلوار کی دھار ہے۔ وہ ملک کا بادشاہ ہے لیکن دیگر بادشاہوں کی طرح ظلم و جبر کی بجائے شفقت و محبت سے کام لیتا ہے۔ عوام کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہے، تبھی تو عوام اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ عدل و انصاف کا اس نے ایک معیار قائم کیا ہے۔

خطۂ عرب کے ایک بادشاہ کا تذکرہ

"بات یہ ہے کہ میں کہیں موجود ہوتے ہوئے بھی وہاں موجود نہیں ہوتا۔"

عزت مآب شاہ عبداللہ بن حسین، چالیس سالہ شاہِ اردن اکثر بھیس بدل کر رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے شہروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ انہیں بھیس بدلنے میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ لوگوں کو ذرہ بھر شک نہیں ہوتا کہ یہ ان کا حکمران ہے جو ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے۔ فروری 1999ء میں تخت نشین ہونے کے بعد یہ ان کی عادت سی

قسط نمبر 2

سفر پہلا پہلا

ندیم اقبال

احساسات، جذبات، فہم و فراست، حکمت و تدبر اور مشاہدے کو الفاظ کا پیرہن دینا۔ اندازِ بیان کے مختلف قرینوں، سلیقوں سے ناسٹلجیائی کیفیات اور عصری صورتِ حال کو اپنی اظہاری صلاحیت کے ذریعے قارئین کی نذر کرنا، اس طرح پیش کرنا کہ پہلی سطر سے آخری سطر تک قاری اسیر رہے۔ یہ کمال ہے ندیم اقبال کا۔ ”نانگا پربت کا عقاب“ اور ”شمشال سے ٹورنٹو“ کے بعد ان کا یہ تیسرا سفر نامہ جو جوانی کے ابتدائی ایام کا احوال ہے اور ایک نئے انداز سے لکھا گیا ہے، قارئین کو پسند آئے گا۔

ایک نوجوان کے احساسات وجذبات میں گندھی سفر کہانی

سب کچھ کسی فلمی سچویشن کی طرح رونما ہوا تھا۔ ایک چیخ بلند ہوئی تھی۔ چیخ نہایت قریب سے ابھری تھی اور ایک آدمی تقریباً اڑتا ہوا ہمارے قدموں کے قریب آ گرا تھا۔ میری نظریں اس پر ٹک گئی تھیں مگر وہ اجنبی تھا کس نے اسے پٹخا، یہ سوال ذہن میں گونجا ہی تھا کہ فرید کی آواز ابھری تو میں نے مڑ کر دیکھا گلو نہایت غصے کے عالم میں گرے ہوئے بندے کو دیکھ رہا تھا۔ گلو کو فرید اور پیرسا میں نے پکڑ لیا تھا مگر وہ طیش کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ”مجھے چھوڑو۔ اس

جنگل کے اسرار

سید احتشام

جنگل کی خوفناکی کے باوجود شکاری اپنا شوق پورا کرنے کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر وہاں پہنچ جاتے ہیں جب کہ وہاں ہر قدم پر موت منہ کھولے کھڑی رہتی ہے۔ اس شوق میں کتنے ہی لوگ جان ہار چکے ہیں پھر بھی لوگ رگوں میں خون کی روانی بڑھانے والے اس شوق کو پورا کرتے ہیں۔

شکار کتھا پڑھنے کے شوقینوں کے لیے ایک دلچسپ روداد

جنگل بہت پراسرار ہوتا ہے۔ اس کی بوقلمونی اپنی جگہ اس کے اسرار سے انکار ممکن نہیں جسے سمجھنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے برسہا برس کے تجربے کی ضرورت ہوتی ہے جو جنگل میں وقت گزار کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے کیونکہ یہاں جنگلی جانوروں کا راج ہوتا ہے جو اپنی سلطنت میں کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔ شوقیہ شکاریوں کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ شیروں کا کچھار کہاں ہے۔ پانی میں مگرمچھ ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو کتنی تعداد میں۔

قسط نمبر:30

ناسور

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

وہ ایک سیدھا سادہ معصوم فطرت نوجوان تھا اور اس کے گرد سازشی ذہنیت والوں کا انبوہ تھا۔ ایسے سازشیوں کے لیے وہ ترنوالہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے پھیلائے ہوئے تارعنکبوت میں پھنسا چلا جارہا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ اب مفر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اسے بھی ان کا جواب دینے کے لیے خم ٹھونکنا ضروری ہے اور پھر اس نے کمر کس لی۔ انہی کے لہجے میں انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔

ایک ایسی طویل کہانی جس کا ہر باب ایک نئی کہانی ہے

چھیتی ساتھن

محترم مدیر

السلام علیکم!

زیر نظر سچ بیانی اس لڑکی کی ہے جس نے زندگی کو کھیل سمجھا۔ یہ تک نہ سوچا کہ زندگی کی راہیں پل صراط سے کم نہیں۔ اس نے اندھی راہ کو اجالوں بھری سمجھ لیا تھا۔ میں نے اسی خیال سے اسے قلم بند کیا ہے کہ شاید کسی کو ... روشنی مل جائے، یہی میرے لیے کافی ہے۔

فضہ عادل
(ہری پور ہزارہ)

اسپتال کے باہر اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر میں اپنے آپ سے الجھنے لگی۔ اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ذہن کے کسی گوشے سے مغالطہ کی صلاح ابھری۔ دماغ نے الجھایا کہ کہیں میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں یا یہ وہ نہیں ہے جسے میں جانتی ہوں کیونکہ کبھی بہت گہرا تعلق تھا میرے اور اس کے بیچ، مگر جو میں دیکھ رہی تھی وہ حقیقت تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''گاڑی روکو......پلیز......'' میں نے بے چینی سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان فرزانہ سے کہا۔ اس نے فوراً فٹ پاتھ سے قریب کر کے بریک لگا دیا اور حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''کیوں......کیا ہوا؟''

میں اس کیفیت سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگی جو اسے دیکھ کر مجھ پر طاری ہو چکی تھی۔ فرزانہ ابھی بھی حیرت زدہ حالت میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''کک......کچھ نہیں۔ مجھے تھوڑا کام ہے یہاں۔ تم جاؤ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرو۔ میں دو منٹ میں آئی۔'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔

''کیوں......؟ مگر ہوا کیا ہے......؟ ارے کچھ بتاؤ تو سہی!''

اس نے میرے یوں اچانک بوکھلانے اور گاڑی سے اترنے کی وجہ پوچھی مگر میں بغیر کچھ کہے مڑ گئی۔

میں اپنی کولیگ فرزانہ کے ساتھ اسپتال میں اپنے باس کی عیادت کے لیے آئی تھی مگر اسے اس حال میں دیکھ کر میں اپنے باس کی عیادت بھول گئی۔ گاڑی سے نیچے اترتے ہی میں الٹے پاؤں پیچھے بھاگی۔

دل میں خود کو دلاسا دیا۔ ''نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی اور ہے۔ شاید میرا وہم۔ محض میری آنکھوں کا دھوکا......''

مگر ایسا کچھ نہ تھا۔ وہ اسپتال......کے باہر گندے میلے کچیلے کپڑوں میں ایک کمزور سا شیر خوار بچہ گود میں لیے بیٹھی تھی۔ میں اس کے قریب ہی رک کر دکھ اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھنے لگی۔ مجھے ابھی بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کی نظریں ابھی تک میرے پیروں پر ہی تھیں۔ اس نے میرے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

''باجی۔ اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔ میرا بچہ بیمار ہے۔ اللہ تمھیں......!'' جیسے ہی اس کی نظریں میرے چہرے پر پڑیں وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔ گویا اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا یا پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں اس کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ وہ مجھ سے نگاہیں چرانے لگی۔ پہلے کی طرح آتے جاتے راہگیروں سے بھیک کی التجا کرنے لگی۔

''منزہ......منزہ......'' میں نے اسے پکارا، مگر اس نے مجھے نظر انداز کر دیا۔

''منی میری بات سنو!'' میں نے زور سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی جانب موڑا۔ ''منزہ پلیز میری بات سنو۔ اٹھو

بی کے بلوچ

جناب مدیراعلیٰ
السلام علیکم!
ادب سے برسوں کا یارانہ ہے لیکن سرگزشت کے لیے پہلی بار سچ بیانی لکھی ہے۔ بی کے بلوچ اب نہیں رہا لیکن یادیں باتیں بھلائے نہیں بھولتیں، اسی لیے کچھ افسانوی رنگ دے کر اسے مکمل کہانی بنا دی ہے۔

محمد وسیم شاہد بلوچ
(کوئٹہ)

آپ کو دیکھ کر دیکھتا رہ گیا..... کیا کہوں..... کیا کہوں اور کہنے کو کیا..... رہ گیا..... آپ کو دیکھ کر دیکھتا رہ گیا۔

کوئٹہ پر سرمئی بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ہوا کسی محبوبہ کی سانسوں کی مانند مجھے مدہوش کیے دے رہی تھی۔ آج برسوں بعد جگجیت سنگھ کی غزل نے ایسا سماں باندھا تھا کہ میں خود سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ غزل میں ایسا کھویا کہ آفس جانے کے بجائے ڈرائیونگ کرتے کرتے کوئٹہ شہر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ یہ غزل، یہ آواز مجھے دنیا جہان سے بیگانہ اور مدہوش کر دیتی تھی۔ میری نظروں میں وہ وقت در آیا۔ میرا دوست، میرا جگر بی کے بلوچ بروری کے پہاڑ پر رات کی تنہائی میں جگجیت کی یہ غزل مجھے کیسی محبت سے سنایا کرتا تھا۔

اچانک کراچی کی طرف سے آتی اِک برق رفتار کالے رنگ کی V8 پراڈو تیز رفتاری سے میرے قریب سے گزری۔

"ارے ایسی گاڑی تو بی کے بلوچ کے پاس تھی۔" مجھے گمان ہوا کہ چلا بھی وہی رہا تھا۔ یقیناً وہی تھا، کیونکہ میں جانتا ہوں وہ کراچی میں گرمیاں گزارنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے سر ہلاتے ہوئے سوچا۔

سوچ کے یہ چند لمحے میری پرانی کرولا اور اس کی جدید پراڈو کے بیچ صدیوں کے فاصلے لے آئے۔ میں نے اگلے موڑ سے گاڑی واپس کوئٹہ کی جانب موڑی اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکا مگر باوجود کوشش کے میں اس کی گرد بھی نہ پا سکا۔

میں نے گاڑی بروری کے پہاڑ کے قریب پارک کی اور وہیں چٹان پر جا بیٹھا جہاں میں اور بی کے بلوچ اکثر راتوں کو بیٹھا کرتے تھے۔

بی کے بلوچ بھی کیا ہنس مکھ اور زندہ دل انسان تھا۔ اسے دیکھتے ہی ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل جاتی۔ ابھی پچھلے سال ہی کوئٹہ کینٹ میں واک کے دوران اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے بے ساختہ مجھے سینے سے لگا کر گرمجوشی سے پوچھا۔ "ارے شریف آدمی اوخود ساختہ ادیب، کہاں گھوم رہا ہے تو۔"

"ارے بی کے بلوچ یہ تم ہو؟ کمال ہو گیا یار..... کیسا رنگ روپ نکالا ہے تم نے..... ویسے جاہل آدمی یہاں واک کی جاتی ہے تو وہی کر رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"واک کو مار گولی۔ چل اسی سنسان پہاڑ پر بیٹھ کر پرانی یادیں تازہ کرتے ہیں جہاں جوانی میں بیٹھا کرتے تھے۔" اس نے میرا جواب سنے بنا مجھے پارکنگ کی طرف کھینچنے لگا۔

"یار میری گاڑی گراؤنڈ کی دوسری طرف پارک ہے۔" میں نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کینٹ ہے، یہاں بے شک ساری رات گاڑی پارک رہے کوئی چوری چکاری کا خدشہ نہیں۔ آج ہماری ملاقات شاید بیس پچیس برس بعد ہو رہی ہے۔ کیا پتا پھر زندگی میں ملاقات کا دوسرا موقع ملے یا نہ ملے، اس لیے چپ چاپ میرے ساتھ چل۔"

اس کے ہونٹوں پر اِک تلخ سی مسکراہٹ دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا دل اپنی مٹھی میں لے کر مسل دیا

محترمہ عذرا رسول

سلامِ تہنیت!

سرگزشت کی سچ بیانیاں میں شوق سے پڑھتی ہوں۔ انسان کی زندگی درد و الم سے بھری ہوتی ہیں اس لیے وہ دوسروں کی درد بھری کہانیاں شوق سے پڑھتا ہے۔ خود میں نے بھی درد و الم بھری زندگی گزاری ہے اسی وجہ سے سرگزشت کی سچ بیانیوں کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ دوسروں کی آپ بیتیاں پڑھتے پڑھتے سوچا کہ اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ سرگزشت کے قارئین کو سنا دوں۔ ملاحظہ کریں یہ واقعہ کتنا انوکھا کیسا سبق بھرا ہے۔

رضیہ نوید
(فیصل آباد)

لمحے کی نیکی

سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کہانی کو شروع کہاں سے کروں۔

میری اس کہانی میں بہت دکھ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے لیکن میرے لیے تو یہ صرف دھوپ ہی دھوپ رہی ہے۔ ہاں، چھاؤں کچھ دنوں کے لیے اس وقت آئی تھی جب ہم ملے تھے یعنی میں اور رضی۔

یہ ایک راستے کی ملاقات تھی لیکن کبھی کبھی راستہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ عمر بھر چلتے رہتے ہیں۔

نہ جانے کچھ لوگ اپنے ساتھ بدقسمتی کے سائے لے کر کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

مکافات

جناب ایڈیٹر سرگزشت
السلام علیکم!
اللہ تعالیٰ کا فرمان ”بے شک انسان خسارے میں ہے“ لیکن انسان ہے کہ سمجھ کر نہیں دیتا۔ وہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے ”مجھے صراط مستقیم پر چلا، مجھے اس راستے سے بچا جس پر چلنے والوں پر تیرا غضب نازل ہوتا ہے“ لیکن نماز تمام کرنے کے بعد وہ خود ہی اس غضب والے راستے پر چل پڑتا ہے۔ سیمی نے بھی خود ہی غضب والے راستے کا انتخاب کیا تھا مگر کیسے یہ آپ میری سچ بیانی پڑھ کر ہی اندازہ لگا پائیں گے۔ اسے صرف میں نے اس لیے قلم بند کیا ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔

فرح انیس
(کراچی)

میں پورے پانچ برس بعد بعد اپنے گاؤں واپس آئی تھی بڑی سڑک سے گاؤں زیادہ دور نہ تھا اسی لیے میں نے ڈرائیور کو وہیں سے واپس کر دیا اور پیدل پیدل چلنے لگی، بہت دلچسپی سے گاؤں کے ان راستوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی جہاں پر میرا بچپن و جوانی گزرا تھا۔ صاف ستھرا ماحول معطر ہوائیں، سرسبز لہلہاتے کھیت، میں وہیں رک کر ان حسین نظاروں کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کرنے لگی۔

ماموں شمیم کے بیٹے کی شادی تھی۔ اس بار بھی ہر بار کی طرح آنا نہایت مشکل لگ رہا تھا۔ ماموں کے بے حد اصرار پر میں نے ہامی بھر تو لی تھی مگر سرمد کو دفتر سے چھٹی نہیں مل رہی

آٹھواں رنگ

مکرمی مدیراعلیٰ
السلام علیکم!
امید ہے بخیر ہوں گے۔ میں نے اس سچ بیانی کو افسانوی انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ پتا نہیں قارئین کو متاثر کر سکا ہوں یا نہیں لیکن میرے غم کا مداوا ضرور ہو گیا ہے۔

ارشد ابرار ارش
(کوٹلی، آزاد کشمیر)

کہانی قرطاس پر بکھری پڑی ہے بالکل میری اپنی ذات کی طرح جسے مجھے سمیٹنا آج تک آیا ہی نہیں۔ نہ تو خود کو اور نہ ہی کہانیوں کو۔ یہ ہنر معلوم ہوتا تو آج میں اپنی کرچیوں اور کہانیوں کو سمیٹ چکا ہوتا اور یہ میری پوریں بھی یوں زخمی نہیں ہوتیں کہ مجھے قلم پکڑنے میں تکلیف ہو۔

بس ایک دشت ہے باتوں کا، یادوں کا اور میں ہوں ننگے پاؤں، ایک راہ ہے پُر پیچ و پُرخار اور میں آبلا پا، بھاگا چلا جا رہا ہوں تکلیف سے کراہتا ہوا، بے سمت اور بنا کسی منزل کے......

یہ میرے سامنے کاغذ پر دو نیلی آنکھیں ہیں جو ابھی تک

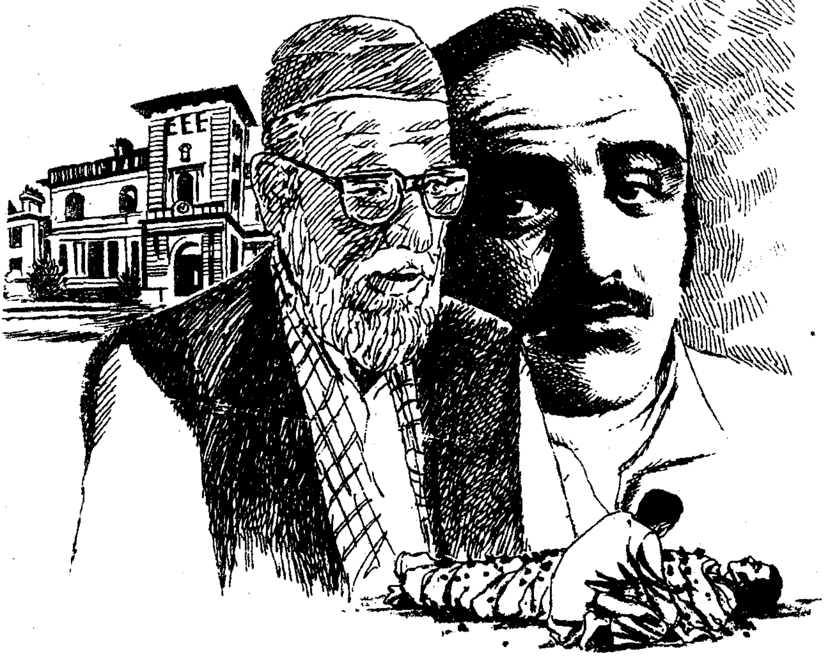

ہنر

جناب مدیر اعلیٰ
سلامِ تہنیت!

ہر ایک اپنے فن میں طاق ہوتا ہے، میں بھی اپنے فن میں ماہر کہلاتا ہوں، میرا ایک نام ہے فلم اور ٹی وی کے اچھے ڈائریکٹرز کی میں پہلی پسند ہوں۔ وہ لوگ مجھے منہ مانگا معاوضہ دیتے ہیں۔ اپنی زندگی میں، میں نے بے شمار شاہکار تخلیق کیے ہیں مگر ایک شاہکار ایسا بھی تخلیق ہوا ہے جسے میں آخری سانس تک یاد رکھوں گا۔ سرگزشت میرے بچوں کا فیورٹ میگزین ہے میری بیٹی جو چار بچوں کی اماں ہے اسی نے مشورہ دیا ہے کہ میں یہ واقعہ سرگزشت کے لیے لکھوں۔ واقعہ ناقابلِ یقین ہے لیکن سچ ہے اگر اسے آپ اپنے میگزین میں جگہ دے دیں تو نوازش ہو گی۔

ذاکر ملک
(کراچی)

میں گزشتہ کئی مہینوں سے بے روزگار تھا کہ میرے پاس ایک کام آگیا۔

اب میں اپنے کام کی نوعیت بھی بتا دوں۔ میں ایک میک اپ آرٹسٹ ہوں۔ جب فلم انڈسٹری عروج پر تھی اور کراچی میں بھی فلمیں بنا کرتی تھیں۔ اس وقت میں رات دن بزی رہتا تھا۔ ابھی ایک فلم ہے۔ کل دوسری فلم سیٹ پر جا رہی ہے۔

جو لوگ اس کام کو جانتے ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ یہ ایک آرٹ ہے۔ چہروں کے خدوخال تبدیل کرنا۔ کالے کو گورا بنانا۔ گورے کو کالا بنانا وغیرہ۔ اس

مفاد

محترمہ عذرا رسول

السلام علیکم!

ایک اور سچ بیانی بھیج رہی ہوں۔ اس سچ بیانی کو عرصہ قبل شروع کیا تھا لیکن اختتام اب کررہی ہوں۔ امید ہے قارئین اسے ضرور پسند کریں گے۔

سنبل

(کراچی)

اس کہانی کو لکھوانے کے لیے مجھ پر بہت دباؤ تھا۔ ہمارے رشتے داروں میں ایک خاتون ہیں ان کی کزن کی کہانی ہے مگر میں نے اس کہانی کو لکھنے کے لیے اس کے مکمل ہونے کا انتظار کیا۔

محبوب صاحب، سہیل کے ورکنگ پارٹنر تھے۔ سہیل پرانی لیکن اچھی حالت میں گاڑیاں خرید کر ان میں جو چھوٹا موٹا کام ہوتا تھا وہ کروا کر ری سیل کرتا تھا۔ یہ دونوں ہی پکے مفاد پرست تھے۔ لوگوں کو استعمال کرنا اور ٹشو پیپر کی طرح

ایک اہم کہانی

جناب مدیراعلیٰ
السلام علیکم!
امید قوی ہے کہ یہ سچ بیانی آپ کو پسند آئے گی لیکن یہ بتا دوں کہ یہ سچ بیانی ذرا ہٹ کر ہے۔ اسے بغور پڑھیں گے تب ہی لطف آئے گا۔

رازی
(کراچی)

یہ ایک پرانا راستہ ہے۔

جو آج کے گرما گرم تناظر میں مجھے یاد آ گیا ہے اور یہ واقعہ میں پہلی بار لکھ رہا ہوں۔ یہ ایک مختلف کہانی ہے۔ اس میں آپ کو نہ کوئی لڑکی ملے گی جس سے محبت کی جائے اور جو ہوٹلوں میں اپنے محبوب کے ساتھ گھومتی ہے اور نہ ہی ایسے لوگ ملیں گے جو کلہاڑی، گنڈاسا یا پستول لے کر کسی کو مارنے نکلے ہوں۔

یہ ایک سیدھی سادی کہانی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ سیدھی سادی کہانی آپ کو کچھ سوچنے پر مجبور کردے۔ یہ واقعہ مجھے یاد کیوں آیا، اس کی وجہ بھی سن لیں۔

آخرکار

ڈیئر ایڈیٹر

سلامِ شوق

کہانی کوئی بھی ہو، کبھی جھوٹی نہیں ہوتی ہے، بس اسے پیش کرنے کا انداز ... افسانوی فارمیٹ میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ سچ بیانی بھی ایسی ہی ہے، اسے میں نے کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا دیا ہے، افسانوی انداز دے دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کا مزہ برقرار رہے۔ میرے ٹی وی ڈراموں کی طرح اسے بھی قارئین کی پسندیدگی کی سند مل جائے۔

آصف مالک

(کراچی)

جولائی کا مہینا، خوشگوار موسم، سرسبز وادی میں چاروں جانب اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ۔ میری کار ناہموار پتلی سی سڑک پر رواں دواں تھی۔ سڑک کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ دو گاڑیاں ایک ساتھ نہ گزر سکتیں۔ یہ سڑک پہاڑ کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا، جیسے میں ''چکرویو'' میں گھوم رہا ہوں۔ ہر موڑ پر ایک نیا دلکش منظر ابھر آتا۔ جب کہ بائیں طرف ہزاروں فٹ گہری کھائی تھی اور سڑک اتنی پتلی تھی کہ کار کے ٹائر سڑک کے بالکل

بیرون ممالک مقیم اُردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصل کریں

تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہو گی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں کلک کریں